معاشی ناہمواریوں کا اسلامی علاج

(نعیم صدّیقی)

قسط دوم

سرکاری ملازمین کے معاوضے ہمارے نظامِ معاشی کی بڑی بڑی ناہمواریوں میں سرکاری ملازمین کے معاوضوں کے اونچ نیچ کو اوّل درجے کی اہمیت حاصل ہے[1] تنخواہوں کا خوفناک تفاوت تنہا ہی نہیں پایا جاتا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ملازمین میں ایک مہلک طبقہ بندی بھی کارفرما ہے، اوپر کے طبقے میں کبر و رعونت کا احساس پایا جاتا ہے اور نچلے طبقے کے کثیر التعداد ملازمین کے اندر احساسِ کمتری کا مرض پیدا کر دیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ایک حکومت کے کارکنوں کو مملکت اور عوام کی خدمت کے لئے ایک ٹیم کی طرح کام کرنے میں جس جذبہ اخوت کی ضرورت ہوتی ہے، وہ مرچکا ہے ——— اور ظاہر ہے کہ اگر آپ یہاں اسلامی حکومت قائم کرنے چلے ہیں تو اس صورتِ حالات کو باقی نہیں رکھا جاسکے گا، بلکہ اسے جلد از جلد بدل دینا ہوگا۔

موجودہ معاوضہ بندی میں بنیادی قباحتیں تین ہیں۔ پہلی خرابی یہ ہے کہ کم سے کم درجے کی جو تنخواہ طے کی گئی ہے، وہ ایسی نہیں ہے کہ جسمیں ایک کنبے کا تو کجا ایک فرد کا گذارہ بھی ہو سکے۔ آخر کوئی ریاضی دان یہ بتلائے کہ ۳۵ روپیہ ماہانہ

---

[1] حکومت چونکہ انسانی قوت (Man-Power) اور جنسِ محنت (Labour) کی سب سے بڑی گاہک ہوتی ہے، اس وجہ سے قدرتی طور پر محنت اور ملازمت کے معاوضوں کا جو بازاری نرخ (Market Rate) بنتا ہے اس پر حکومت کی اختیار کردہ شرح ہائے معاوضہ اور اصولِ معاوضہ بندی بہت ہی گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ انسانی محنت کا منصفانہ نرخ کسی ملک میں صرف اسی صورت میں رائج ہو سکتا ہے جب کہ حکومت سب سے پہلے اپنی تنخواہوں کا نظام انصاف کے اصولوں پر عملاً قائم کر دے یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں نظامِ معیشت کو رائج کرنے کیلئے تنخواہوں کی فوری اصلاح کو ہم لازم سمجھتے ہیں۔

[2] یہ تو گورنمنٹ کے ملازمین کے معاوضوں کی کم سے کم حد بندی ہے، انکے مقابلہ میں ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپل کمیٹیوں اور لوکل سیلف گورنمنٹ کے دوسرے اداروں کے بعض ملازمین کی بنیادی تنخواہیں ۱۹ — ۱۶ اور ۲۰ — ۲۰ روپے بھی ہیں۔ یہ کھلا ہوا ظلم ہے۔

میں روٹی، کپڑا، مکان اور دوا جیسی ضروریات ایک، دو، تین، چار، پانچ اور دس افراد کے کنبے کے لئے کیسے پوری ہوسکتی ہیں۔ پھر کیا یہ سے اوپر ۵۰، ۶۰، ۱۰۰ اور ۷۰ تک کے جو معاوضے پائے جاتے ہیں، ان کو چار پانچ افراد کے کنبوں کی کفالت کا ذریعہ کس حکمت سے بنایا جاسکتا ہے۔ جس کمیشن کے ممبران نے یہ ظالمانہ شرح بندی کی ہے ہم اس کے ارکان سے سوال کرتے ہیں کہ کیا آپ ایک مہینہ اپنے گھر کا خرچ اسی رقم سے چلا کر دکھا سکتے ہیں؟ اگر اپنے گھر کا نہیں، تو کیا آپ ۷۵ روپے لینے والے کارکن کو کوئی ایسا بجٹ بنا کے دے سکتے ہیں کہ جس کے ذریعے اس ۷۵ روپے کے مصارف ۷۵ روپے میں پورے ہوجائیں۔ اگر آپ کی معاشی معلومات میں ایسے کوئی چھو منتر نہیں ہیں تو پھر بتائیے کہ آپ خدا کے سامنے کیا جواب دیں گے، اور اگر آپ خدا کو نہ مانتے ہوں تو فرمائیے کہ آپ نے اپنے ضمیر کو کس طرح مطمئن کر لیا ہے؟ [1]

دوسری خرابی تنخواہوں کی شرح بندی میں یہ ہے کہ ایک کارکن کے کنبے اور اس کی معاشی ذمہ داریوں کا سرے سے کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔ ان حالات میں دیکھا جاتا ہے کہ ایک طرف ایک شخص فرد واحد ہو کر تین چار سو روپیہ ماہانہ لے رہا ہوتا ہے اور دوسری طرف دس افراد کا کنبہ پچاس روپلی پر پل رہا ہوتا ہے۔

تیسری خرابی معاوضوں کے موجودہ سسٹم میں ظالمانہ تفاوت کا پایا جاتا ہے۔ آج ہمارے ہاں کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ تنخواہ کی باہمی نسبت ۱: ۱۰۰ کی ہے۔ بلکہ اگر لوکل سیلف گورنمنٹ کے اداروں کے کارکنوں کے معاوضوں کو دیکھا جائے تو تفاوت کا تناسب ۱: ۲۰۰ کا ہے۔ یعنی جو فرق ایک منزل کے مکان اور دو سو منزل کے مکان کو ایک ساتھ بنا کر محسوس کیا جاسکتا ہے، ٹھیک وہی فرق سرکاری ملازمین کے معاوضوں میں پایا جاتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ ایک گاڑی وہ ہے جو ایک میل فی گھنٹہ چل رہی ہے اور دوسری گاڑی وہ جو ۲۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے متحرک ہے۔ تفاوت یقیناً ناگزیر ہے، لیکن اگر تفاوت اتنا زیادہ ہوجائے کہ اسلام کی خدمت کے لئے افسر اور ماتحت اور ادنیٰ ملازم ایک صف میں شانہ بشانہ کھڑے ہونے کے جذبے سے محروم ہوجائیں تو ایسا تفاوت ناقابل برداشت ہے۔

معاوضہ بندی کے ان تین مفسدات کی وجہ سے جو مہلک نتائج پیدا ہو رہے ہیں، ان کا ایک ہلکا سا تصور دلا دینا ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان کو بنانے میں جن چھوٹے ملازمین نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے مثلاً مدرس، کلرک، کانسٹبل

[1] ایک صحیح اسلامی حکومت کی آزاد عدالت میں حکومت کا ایک کارکن اس قسم کے ظالمانہ معاوضہ کے خلاف احتجاجی استغاثہ دائر کر سکتا ہے اور عدالت یقیناً حکومت کے خلاف ڈگری صادر کر کے اسے معقول معاوضہ دلا کے رہے گی۔

نچلے سپاہی اور سرکاری کارگاہوں کے مزدور وغیرہ جو پاکستان کی گاڑی کے لئے پہیوں کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں حد درجہ کی بے اطمینانی پائی جاتی ہے اور مملکت کی خدمت گذاری کے لئے جس ولولہ کی ضرورت ہے وہ ان کے سینوں میں دم توڑ رہا ہے وہ محسوس کر رہے ہیں کہ پاکستان کا وجود صرف ان بڑوں کے لئے ہے جو اس کے خزانے سے جتنا رس چاہتے ہیں آزادی سے نچوڑ لیتے ہیں اور اپنے سے نیچے کے کارکنوں کی حق ماری کرنے کے لئے پورے اختیارات رکھتے ہیں۔ دوسری واضح خرابی یہ پائی جاتی ہے کہ معاوضوں کی کمی نے رشوت ستانی اور پبلک کے اموال میں خیانت کرنے کے دروازے چوپٹ کھول دیئے ہیں غریب ملازمین کے اندر جو اخلاقی قوت بددیانتی سے روکنے کے لئے کارفرما چلی آرہی تھی اسے فقر وفاقہ نے آہستہ آہستہ کمزور کر دیا ہے۔ اس طرح رشوت ستانی اور خیانت پاکستان کے خزانہ قوت کو مسلسل برباد کر رہی ہے جیسے دیمک کسی تخت طاؤس کو اندر ہی اندر سے چٹ کر جائے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ ملازمین حکومت غیر منصفانہ معاوضوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے بار بار ہڑتالیں کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ان ہڑتالوں کی وجہ سے مملکت پاکستان کے خزانہ قوت میں کمی واقع ہوتی رہتی ہے۔ چوتھی خرابی یہ پیدا ہو چکی ہے کہ افسروں اور عام کارکنوں میں نہ صرف یہ کہ اخوت کا تعلق سرے سے نہیں ہے بلکہ اُلٹا باہمی نفرت اور کشمکش کی صورت پیدا ہو چکی ہے۔ اور یہ پاکستان کے لئے فال نیک ہرگز نہیں۔ پانچویں خرابی یہ ہے کہ معاوضوں کے اس غلط سسٹم کا بہت مضر اثر سالہا سال سے پرائیویٹ فرموں اور اداروں کے ملازمین اور مزدوروں کے معاوضوں کے مارکیٹ ریٹ پر پڑ رہا ہے۔

ان حالات میں ہمارے ملازمین کمیونزم کے جراثیم کو قبول کرنے کے لئے پوری طرح تیار بیٹھے ہیں چنانچہ فوج کی چھاؤنیاں، پولیس لائنز اور سول دفاتر کے ہر گوشے میں ان جراثیم کے انجکشن لگانے کی ایک خاموش مہم ملک بھر میں جاری ہے۔ اس مہم کو ناکام بنانے کی کوئی تدبیر اس کے سوا نہیں ہے کہ معاوضوں کا نظام اسلام کے منصفانہ اصولوں پر استوار کر دیا جائے۔

خلافت راشدہ میں معاوضہ بندی کا اصول

خلافت راشدہ کے دور کی تاریخ کی چھان بین کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نظام میں ملازمین حکومت کے معاوضوں کے تعین میں یہ خیال بھی رکھا جاتا تھا کہ کارکن کی قابلیت اور خدمت کی نوعیت کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا جاتا تھا کہ اس کی ضروریات کیا ہیں اور اس کا کنبہ کتنا ہے۔

ابتدائی دور میں جب تک اسلامی انقلاب کی تکمیل کے لئے مخالف قوتوں سے جدوجہد جاری رہی تنخواہ داری

سرے سے نہ تھی، بلکہ ہر شخص اپنے خرچ پر رضاکارانہ خدمات انجام دیتا تھا اور اگر اسٹیٹ کو کوئی آمدنی ہوتی تھی تو وہ کارکنوں میں تقسیم کردی جاتی تھی۔ لیکن بعد میں جب اسلامی ریاست پوری طرح قائم (establish) ہوگئی تو باقاعدہ معاوضہ بندی کردی گئی۔ جس کی تصریح دورِ عمر رضی اللہ عنہ کی تاریخ میں موجود ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی ایک تقریر میں تنخواہوں کے فرقِ مراتب کے وجوہ اول بیان فرمائے ہیں:۔

مَا اَحَدٌ اِلّا وَلَهٗ فِي هٰذا المال	تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا حصہ اس خزانے
حقٌ اُعطِيَهٗ اَو مُنِعَهٗ	میں نہ ہو خواہ یہ حصہ میں نے ادا کردیا ہو یا روک رکھا ہو۔ کوئی
وما احدٌ احقّ بهٖ من	اس خزانے میں مرد و غلام سے بڑھ کر کسی کے مقابلے میں بڑا
احدٍ الا عبدٌ مملوكٌ و	حصہ دار نہیں ہے، اور خود میں اس معاملے میں کوئی حیثیت
ما انا فيه الّا كاحدٍ كم	اس سے زیادہ نہیں رکھتا جو تم میں سے ہر ایک کی ہے۔
ولكنا على منازلنا من	لیکن اس خزانے کی تقسیم ہمارے ان درجات و اقسام
كتاب الله وقسمنا من	کے مطابق ہوگی جو کتاب اللہ اور رسول اللہ کے ذریعے
رسول الله صلعم	متعین ہیں۔ سو دیکھا یہ جائے گا۔ کہ
(۱) فالرجل وبلاءُه فى الاسلام (۲) والرجل	۱۔ کسی شخص نے اسلام کے لئے کیا آزمائشیں جھیلی ہیں
وقدمه فى الاسلام (۳) والرجل وغناءُه	۲۔ کسی شخص نے اسلام کے لئے کتنی سبقت کی ہے۔
فى الاسلام (۴) والرجل وحاجته فى الاسلام	۳۔ کوئی شخص اسلام کے لئے کس درجہ کی مشقت کرتا ہے
ایک دوسرے موقع پر یہ ٹکڑہ ارشاد فرمایا:۔	۴۔ کسی شخص کی حقیقی ضروریات کیا ہیں؟
(۵) والرجل وعيالُهٗ فى الاسلام	۵۔ کسی شخص کا زیرِ کفالت کنبہ کتنا ہے؟

معمولی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاوضہ بندی کے لئے بہترین منصفانہ اصول یہی ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ تقریر مذکورہ بالا کی اصطلاحات اسلامی تحریک کے ابتدائی انقلابی دور سے متعلق ہیں، لیکن اگر ان سے عام حالات کے لئے اشارات اخذ کئے جائیں تو معاوضہ بندی میں قابلِ لحاظ امور یہ ہوں گے کہ:

(۱) ایک شخص نے اسلامی حکومت کے قائم کرنے اور چلانے کی جد و جہد میں کیا حصہ لیا ہے اور کیسی خاص خدمات

انجام دی ہیں اور کن کن قربانیوں سے کام لیا ہے؟

(ب) ایک شخص نے اسلامی حکومت کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو علمی قابلیت، عملی مشق و تجربہ اور فنی مہارت کے لحاظ سے تیار کرنے میں کتنی دماغی اور مالی قربانی دی ہے اور عمر کا کتنا حصہ صرف کیا ہے؟

(۲) ایک شخص کتنی مدت سے اسلامی حکومت کی خدمات انجام دے رہا ہے؟

(۳) ایک شخص کی خدمات کی نوعیت کیا ہے اور جسمانی اور دماغی مشقت اس میں کس درجے کی پائی جاتی ہے؟

(۴) ایک شخص کی حاجات و ضروریات کیا ہیں؟

(۵) ایک شخص کا کنبہ کتنے افراد پر مشتمل ہے؟

ان سارے امور کا لحاظ معاوضہ و مزدوری مقرر کرنے میں اگر رکھا جائے تو ان کے مجموعے کا نام اصولِ کفالت ہے۔ خلافتِ راشدہ میں تنخواہیں اور معاوضے اسی اصولِ کفالت پر ادا ہوتے تھے۔ چنانچہ کسی ملازم حکومت کے کنبے میں جہاں ایک بچے کا اضافہ ہو جاتا اس کا وظیفہ بیت المال سے ادا ہونے لگتا۔ مہاجرین و انصار کی ازواج کو ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک کے وظائف ملتے تھے۔

پاکستان میں اس اصول کفالت کو نافذ العمل کرنے کے لئے ناگزیر ہے کہ ایک نیا پے کمیشن (Pay-Commission) مقرر کیا جائے جو اسلامی ذہنیت کے ساتھ معاوضوں کے نظام کی نظر ثانی کرے۔ ہر سرکاری کارکن کو اس کے افراد خاندان کے مطابق اس کی پوری ضروریات فراہم کی جائیں، نیز اس کی اور اس کے اہل و عیال کی صحت کی ذمہ داری حکومت اپنے سر لے۔

ظالمانہ تفاوت کا خاتمہ دوسری اصلاح جو معاوضوں کے نظام میں مطلوب ہے، وہ یہ ہے کہ ۴۶ تا ۳۰۰۰ اور ۳۵۰۰ کے ظالمانہ تفاوت کو ختم کیا جائے۔ کارکنوں کی صلاحیتوں، خدمات کی نوعیتوں اور مناصب کی ذمہ داریوں وغیرہ میں جو تفاوت قدرتی طور پر موجود ہے، وہ یقیناً معاوضوں میں ایک حد تک تفاوت پیدا کرتا ہے اور ایسا ہونا چاہیے۔ لیکن آج تفاوت اسلامی نظام کے تحت گوارا نہیں کیا جا سکتا۔

خلافت راشدہ میں بھی تفاوت موجود تھا اور بعض مناصب کے لئے خاص طور پر اچھے معاوضے بھی رکھے گئے تھے۔ لیکن وہاں اس امر کا اہتمام تھا کہ نیچے کے کارکنوں کا حق مار کر اوپر کے بڑے عہدہ داروں کو عیاشی کے سامان فراہم نہ کئے

جاتے تھے بلکہ سب سے نیچے والے کو بھی اتنا ضرور ملتا تھا، جتنا ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہو۔

خلیفہ اول کے دور میں باقاعدہ تنخواہ دارانہ نظام نہیں تھا، خلیفہ دوم نے اسے قائم کیا اور ۱۵ھ میں جب باقاعدہ طور پر ملت اسلامیہ کے جملہ افراد کو سرکاری سپاہ قرار دے کر درج رجسٹر کرایا تو ان کے مستقل معاوضے مقرر فرمائے۔ ان معاوضوں سے زیادہ سے زیادہ کی مقدار ۵۰۰۰ درہم (موجودہ شرح کے حساب سے تقریباً ۲۵۰۰ روپیہ) اور کم سے کم مقدار ۲۰۰ درہم (۱۰۰ روپیہ) تھی۔ بعد میں جب اسلامی ریاست کے مالیات نے مزید ترقی کی تو ان تنخواہوں میں اور اضافہ کیا گیا۔ ایک طرف افسروں کی تنخواہوں کو ۱۰ ہزار درہم تک بڑھایا گیا اور دوسری طرف کم سے کم معاوضہ پانے والوں کو ۲۰۰ کے بجائے ۳۰۰ درہم دیئے جانے لگے گویا اسلامی نظام میں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چپراسی اور ہرکارہ اور سنتری بھی ۱۵۰ روپیہ ماہانہ پاتا تھا (بیوی بچوں کے لئے وظائف مزید براں ملتے تھے) غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ خلافت راشدہ میں معاوضوں کا تفاوت ۱:۲۵ اور ۱:۳۳ کے اندر اندر قائم رہا ہے، اس کے مقابلے میں آج کے پاکستان میں تفاوت ۱:۲۰۰ کا ہے یعنی ۶ اور ۸ گنا!

یہ انصاف کی قطعی نفی ہے کہ ہماری حکومت کی گاڑی جن پہیوں پر چلتی ہے ان کو تو حد درجہ ناکافی معاوضے دیئے جائیں۔ لیکن پاکستان کے اس خزانے سے جسے ملک کے غریب لوگ اپنے خون پسینے کی ایک ایک بوند ٹپکا ٹپکا کر بڑی مشکلوں سے بھرتے ہیں، بڑے عہدہ داروں کو نہ صرف یہ کہ ساری ضروریات زندگی پوری کر کے دی جاتی ہیں، بلکہ ان کی معصیت بھری نفس پرستیاں، ان کی عیاشیوں، ان کی کافرانہ عادات، ان کی غیر اسلامی مجالس کیف و سرور کے مصارف پورا کرنے کے لئے معاوضوں میں پوری طرح گنجائشیں رکھی جاتی ہیں۔ پاکستان کے غریب خزانے کے بل پر شرابیں خریدی جاتی ہیں، کلب گھروں میں رقص و سرود کے ہنگاموں سے لذت اندوزی کی جاتی ہے، برج کھیلی جاتی ہے، گھوڑ دوڑ میں روپیہ لگایا جاتا ہے، اپنی عورتوں کو تبرج جاہلیت سے آراستہ کر کے بے پردگی اور بے حیائی کی تبلیغ کے لئے میدان میں لایا جاتا ہے — اور پاکستان کی گاڑی کے پہیے یعنی کلرک، سپاہی، کانسٹبل، مزدور وغیرہ ”چہ خورد بامداد فرزندم“

؎ سول محکموں میں سے صوبہ کے گورنروں کی تنخواہیں بھی ۵۰۰۰ درہم ماہانہ تھیں۔ بڑے درجے کے قاضیوں (ججوں) کی تنخواہیں جو خاص طور پر زیادہ رکھی گئی تھیں تاکہ رشوت ستانی کوئی رخنہ انصاف کے عمل میں پیدا نہ کر سکے، وہ ۵۰۰ درہم ماہانہ یعنی تقریباً ۲۵۰ روپے مقرر ہوئیں۔ قاضی سلیمان بن ربیعہ اور قاضی شریح کو یہی مشاہرہ ملتا تھا۔

کا معمامل کرنے میں اپنا خون خشک کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ گھس گھس کر اور گھل گھل کر ختم ہو جاتے ہیں۔

ایک اسلامی حکومت کے لئے لازم ہے کہ وہ پہلے اوپر کے افسروں کی نہیں، پہلے نیچے کے کارکنوں کی کم سے کم شرح کو اصول کفالت کے مطابق طے کرے کہ ایک کنبے کی گذر کے لئے کتنی رقم درکار ہے۔ پھر بعد میں یہ دیکھا جائے کہ اوپر کے اعلیٰ کارکنوں کو خاص اضافے دینے کے لئے خزانہ کتنی گنجائش رکھتا ہے۔ نہ یہ کہ پہلے اوپر کے معاوضے مقرر ہو جائیں اور پھر خزانے میں جتنی استطاعت باقی رہے، نچلے ملازمین کی تنخواہیں اس کے مطابق ادا ہونے لگیں۔ صرف اس طریق سے تفاوت کو معقول اور جائز تناسب پر قائم کیا جا سکتا ہے۔

اکابر حکومت کے معاوضے اب تک عام ملازمین کے معاوضوں کے متعلق جو اشارات بیان کئے گئے ہیں، اسلامی نظام میں اکابر حکومت کا معاملہ ان سے بالکل الگ ہے۔ اکابر حکومت سے صدر حکومت، وزرا اور ارکان اسمبلی وغیرہ خدام ملک مراد ہیں۔ جدید جمہوری نظام میں ان عہدوں کے ساتھ بھاری تنخواہیں رکھی جاتی ہیں، لیکن اسلامی نظام میں ان مناصب کے لئے تنخواہ اور ملازمت کے تصور کو موجب توہین سمجھا جاتا ہے اور بجائے تنخواہ کے ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے ایک اوسط درجے کے معیار کے مطابق وظائف مقرر کئے جاتے ہیں۔

خلافت راشدہ میں خلفاء اور اہل شوریٰ نے گذارے کے وظائف سے زائد کبھی کچھ وصول نہیں کیا، بلکہ خلیفہ اول نے زندگی بھر جتنا وظیفہ لیا تھا، اسے بھی اپنے ترکہ میں سے واپس بیت المال میں داخل کرنے کی وصیت کی۔ حضرت عمرؓ نے واضح طور پر اپنے وظیفہ کی حیثیت متعین کر دی کہ:۔

انما انا ومالکم کوالی الیتیم	تمہارے بیت المال کے لئے میری وہی حیثیت ہے جو
ان استغنیت بہ استعفف	یتیم کے والی کی ہوتی ہے۔ پس میں اگر غنی ہوں گا تو اس
وان افتقرت اکلت بالمعروف	میں سے کچھ نہ لوں گا اور اگر ضرورت مند ہوا تو منصفانہ
	طریق سے کھالوں گا۔

چنانچہ یہ منصفانہ معاوضہ جو اخراجات کا باقاعدہ حساب مرتب کر کے آپ نے مقرر فرمایا تھا وہ دو درہم روزانہ دے سکتہ تھا۔ پھر اس پر احتیاط کی شدت کا یہ عالم تھا کہ بیت المال کا ذرا سا حق بھی اپنے اوپر آنے کے روادار نہ تھے اور اپنے اوپر اور گھر والوں پر اس معاملے میں حد درجہ کی سختی کرتے تھے۔ یہی مسلک حضرت عمر بن عبد العزیز نے اختیار کیا۔ جنہیں نیا بیعہ

کے دور کے بیچ میں دو سال کے لئے خلافت راشدہ کے اعیار کا موقع مل گیا تھا۔

لیکن آج "مال یتیم" کے والیوں کا یہ حال ہے کہ اپنے لئے ۵،۰ ہزار روپیہ تک کی تنخواہیں مقرر کرتے ہیں، تنخواہوں سے بڑھ چڑھ کر سفر خرچ وصول کرتے ہیں، شاہانہ ضیافتوں اور دعوتوں کے لئے روپیہ صرف کرتے ہیں، ۲۰ ــ ۲۰ ہزار روپیہ کا فرنیچر استعمال کرتے ہیں اور اپنے مناصب خدمت کو باقاعدہ کمائی اور عیاشی کا ایک وسیلہ سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

مدعا یہ نہیں کہ آج بھی معاوضہ عین دو درہم روزانہ ہی ہونا چاہئے، بلکہ موجودہ دور کے معیار تمدن کے پیش نظر ایک اوسط درجے کے شہری کی صاف ستھری شریفانہ مگر سادہ زندگی گزارنے کے لئے جتنا خرچ ناگزیر ہے، پاکستان کے صدر حکومت اس کے وزرا اور اس کے ارکان اسمبلی کو صرف اسی پر اکتفا کرنا چاہئے، ورنہ مال یتیم کے والی سے عدالت خداوندی میں جتنا شدید محاسبہ ہوتا ہے، اس سے ہزار گنا زیادہ شدید محاسبہ ایک اسلامی حکومت کے عناں برداروں سے ہوگا۔

اعلیٰ عہدہ داروں پر ایک اہم پابندی موجودہ نظام میں اعلیٰ عہدہ داروں کو پوری چھوٹ ہے کہ وہ اپنی بڑی تنخواہوں کے بل پر نہایت درجہ ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی بسر کریں اور اپنے مسرفانہ معیار زندگی کو عوام ملک اور ماتحت کارکنوں سے بالاتر ہو کے رہنے کے لئے ذریعہ بنائیں۔ بڑے افسروں کی اس آزادی سے کئی فتنے اٹھتے ہیں:- اوّلاً ہر اونچا عہدہ دار اپنے دماغ میں رعونت کو پرورش دیتا ہے اور ماتحت ملازمین کو اور پبلک کے افراد کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ثانیاً وزیروں، گورنروں، کمشنروں، محکموں کے ڈائرکٹروں اور دوسرے بڑے افسروں کا ٹھاٹھ باٹھ اس امر میں روک بن جاتا ہے کہ ماتحت ملازمین اور پبلک اپنی ضروریات اور شکایات کو ان تک پہنچا سکیں۔ ثالثاً بڑے افسروں کے ٹھاٹھ باٹھ کو دیکھ کر ماتحت کارکنوں میں اسراف کا ذوق بیدار ہونے لگتا ہے۔ ان کی تنخواہیں جب اس ذوق کی تسکین کے لئے کافی نہیں ہوتیں تو پھر وہ رشوت ستانی وغیرہ سے مدد لیتے ہیں۔ رابعاً حکومت کے اکابر اور عہدہ داروں کا مسرفانہ رویہ پوری پبلک کو اسراف کی ترغیب دلاتا ہے۔ ان سارے فتنوں سے بچنے کی واحد تدبیر یہ ہے کہ کارکنان حکومت کو مجبور کیا جائے کہ وہ ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی کو چھوڑ کر عام لوگوں کی طرح کا رہن سہن رکھیں اور خدا کے بندوں کو اپنے تک پہنچنے کے لئے سہولتیں بہم پہنچائیں۔

اس معاملے میں بھی خلافت راشدہ کے دور مقدس سے ہمیں واضح اور قطعی رہنمائی ملتی ہے۔ وہاں تو نبی صلعم نے اپنے اسوہ حسنہ سے اول روز سے ہی ایسی مستحکم روایات قائم کر دی تھیں جن سے روگردانی کرنے کی جرأت کسی کو نہ تھی۔ آنحضرت کے بعد آپ کے خلیفۂ اول نے ان روایات کی پوری طرح پاسداری کی یہاں تک حضرت عمرؓ نے اسلامی حکومت کے اعلیٰ کارکنوں کے معیار زندگی کے متعلق ایک مستقل ضابطہ بنا دیا۔ آپ دور عمرؓ کے ضابطۂ خدمات یعنی Public-Services-code کا اگر جائزہ لیں تو اس میں ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی کے خلاف واضح امتناعی احکام ملیں گے۔

ایک خطبہ میں حضرت عمرؓ نے عمال کو ہدایات دیں کہ۔

الا وانی لم ابعثکم امراء ولا جبارین
ولکن بعثتکم ائمة الهدیٰ یهتدیٰ
بکم، فادروا علی المسلمین حقوقهم
ولا تضربوهم فتذلوهم ولا تحمدوهم
فتفتنوهم ولا تغلقوا الابواب
دونهم فیاکل قویهم ضعیفهم
ولا تستأثروا علیهم فتظلموهم

سمجھ لو! کہ میں نے تم کو حکمران اور سخت گیر بنا کے نہیں بھیجا ہے، بلکہ تمہیں بطور ائمہ ہدایت مقرر کیا ہے۔ تاکہ لوگ تمہارے ذریعے ہدایت پاتے رہیں۔

۱۔ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو۔
۲۔ ان کو زدوکوب نہ کرو کہ وہ ذلیل ہو جائیں۔
۳۔ ان کی تعریفیں نہ کرو کہ وہ فتنہ میں پڑ جائیں۔
۴۔ ان کے لئے اپنے دروازے بند نہ کرو کہ طاقتور کمزوروں کو کھا جائیں۔
۵۔ ان کے مقابلے میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو ورنہ اس طرح ان پر ظلم کرنے لگو گے۔

اس خطبہ میں پانچویں ہدایت کا جو کچھ منشا ہے، اس کی تفصیل ان شرائط سے ہو سکتی ہے جو حکام و عمال کے پروانۂ تقرری میں درج کی جاتی تھیں اور بالعموم مجمع عام میں ان کی پابندی کے لئے عہد لیا جاتا تھا۔ شرطیں یہ تھیں کہ ترکی گھوڑے پر سواری نہ کرو گے، باریک کپڑے نہ پہنو گے، میدے کی روٹی نہ کھاؤ گے، دروازے پر دربان نہ رکھو گے اور اہل حاجت کے لئے اپنے دروازے ہمیشہ کھلے رکھو گے۔

اس دور میں ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی کے یہی مظاہر تھے اور ان کو اسلامی حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کے لئے قانوناً ممنوع ٹھہرایا گیا تھا۔

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری جیسے جلیل القدر کارکن کے خلاف ایک مرتبہ دربارِ خلافت میں کچھ شکایات آئیں تو ان میں سے ایک یہ تھی کہ ان کے پاس ایک لونڈی ہے جس کو ایسی غذا ملتی ہے جو عام مسلمانوں کو نصیب نہیں ہوتی۔[1] اتفاق سے باقی الزام غلط نکلے اور یہی ایک صحیح ثابت ہوا۔ مدل عمرؓ نے لونڈی ان سے الگ کرا دی۔

ایک مرتبہ عیاض بن غنم عامل مصر کے متعلق اطلاع ملی کہ وہ باریک کپڑے بھی پہنتے ہیں اور دروازے پر دربان بھی رکھتے ہیں۔ عامل موصوف کو مرکز میں پکڑ بلوایا گیا، عین اس حال میں کہ باریک لباس بدن پر موجود تھا۔ حضرت عمرؓ نے وہ لباس اتروا کر گڈریوں کا اونی جبہ پہنوایا اور کہا کہ جاؤ تم جنگل میں بکریاں چراؤ، انسانوں پر حکومت کرنے کے تم اہل نہیں ہو۔ آخر صدقِ دل سے توبہ کرنے پر اُن کو منصب پر بحال کیا گیا۔

اسی طرح کوفہ میں سعد بن وقاص نے اپنے لئے ایک عالیشان مکان بنوایا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی۔ خلیفہ ثانی کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس ٹھاٹھ کی تعمیر کو اہلِ حاجت کے لئے روک سمجھا اور محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جاؤ اس ڈیوڑھی کو جا کر آگ لگا دو۔ چنانچہ اس فرمان کی تعمیل ہوئی اور سعد وقاص چپکے بیٹھے دیکھتے رہے۔

آج کے دور کے لئے ان روایات سے جو چیزیں اخذ ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ حکام و عمال کو سرکاری ڈیوٹیوں کی انجام دہی کے لئے تو اعلیٰ سے اعلیٰ ذرائع و وسائل مہیا ہونے چاہییں، لیکن ان کو شخصی اور گھریلو زندگی کے معیار کو کبر اور اسراف کی حد تک جانے سے قانوناً روکا جانا چاہیئے۔ ایک مسلم مملکت کے حکام کا مقام یہ نہیں ہے کہ وہ قالینوں اور صوفوں کی جنتیں لبا کے بیٹھیں، نوکروں اور خادموں کے بیڑے بھرتی کریں، زندگی کے چند لمحے بسر کرنے کے لئے اونچے ایوان تعمیر کرائیں، اور لمبے چوڑے احاطے گھیر کر بیٹھیں، رقص اور سرود کے ہنگاموں سے لذت اندوز ہوں اور شرابیں پئیں۔ وہ سفر کو نکلیں تو ہزاروں کارکن مختلف انتظامات میں مصروف ہو جائیں، وہ جہاں قیام کریں وہاں پولیس کے پہرے ہوں اور سی، آئی، ڈی کے کارکن موہوم خطرات کو سونگھتے پھریں، وہ کسی سڑک سے گزریں تو وہ سڑک پبلک کے لئے حرام

---

[1] آج کتنے ہی کارکنانِ حکومت ایسے ہوں گے جن کے کتوں کو عام مسلمانوں سے کئی گنا بہتر غذائیں اور دوائیں ملتی ہوں گی لیکن کوئی عمرؓ موجود نہیں جو اس صورتِ حالات کو بدل دے۔

منہ دی جائے۔ وہ اگر کسی تقریب میں شریک ہوں تو ان کے لئے آرائشی دروازے نصب کئے جائیں جھنڈیاں اور پھولوں کے تختے زمین پر بچھا دئے جائیں، وہ کسی مجلس میں تشریف لائیں تو نعرے لگائے جائیں اور خوشامدانہ سپاسنامے ان کی خدمت میں پیش کئے جائیں، کوئی غریب صاحب ضرورت ان سے ملنے کی کوشش کرے تو اسے روکنے کے لئے قدم قدم پر سپاہی موجود ہوں کیونکہ اسلامی حکومت کے کارکن اگر اس روش پر چلیں تو ان کو یقیناً سزا ملنی چاہیئے۔

اس مصنوعی زندگی سے جب تک ہمارے حکام الگ نہ ہو جائیں، ان کے دماغوں سے کبر و رعونت کی وہ ہوا نکل ہی نہیں سکتی جو غریب عوام اور ماتحت ملازمین کے لئے ان تک پہنچنے میں مانع ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر اسلامی اخوت و مساوات کا احساس پیدا ہونے ہی نہیں پاتا۔ اسلامی نظام میں بہر حال ارکان حکومت کے لئے کبر و رعونت اور اسراف و تبذیر کی زندگی بسر کرنے کا موقع مہیا نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ حکام کو کارکنوں اور پبلک سے الگ ایک عالم بالا میں رہنے کی اجازت دی جا سکتی

اسلامی حکومت اپنے عمال و حکام سے یہ چاہتی ہے کہ وہ اپنے ماتحت کارکنوں اور عام شہریوں کے لئے نہ صرف یہ کہ اپنے دروازے کھلے رکھیں، بلکہ ایک عام مسلمان کی طرح ان سے روابط قائم کریں، یہاں تک کہ خلیفۂ دوم کے دور میں ایسے حکام و عاملین کو برطرف کر دیا جاتا تھا جو بیمار مسلمانوں کی عیادت کو نہ جاتے تھے، یہاں اس طرز عمل کا کوئی موقع نہیں ہے جو آج رائج ہے، کہ ہمارے اکابر حکومت اور حکام و عمال نہ مسجدوں میں جا کر عوام سے ملیں جلیں۔ لوگوں کی مشکلات کو براہ راست جا کر معلوم کریں۔ نہ اپنے دروازے ہر خاص و عام کے لئے کھلے رکھیں، بلکہ ان کو جن شکایات اور ضروریات کا علم ہو بھی جائے، ان کے بارے میں اپنا فرض ادا کرنے پر اس وقت تک تیار نہ ہوں جب تک کہ پریس اور اسٹیج سے ایک طوفان پبلک کی طرف سے بپا نہ کر دیا جائے۔

حقوق محنت کا تحفظ معاشی ناہمواریوں کو پیدا کرنے والے اسباب میں سے ایک اہم ترین سبب صنعتی مزدوروں کی حق ماری ہے۔ ہمارے صنعتی مزدوروں کا حال یہ ہے کہ وہ سرمایہ کے نخاس میں اپنے آپ کو [illegible] بیچتے ہیں، اور نہایت ارزاں بکتے ہیں۔ خریدنے والے ان ابنائے آدم کو خرید کر چوپایوں کی طرح استعمال کرتے ہیں جیسے کوئی شتربان بہت سے اونٹ پال لیتا ہے یا کوئی [illegible] گدھے خرید لیتا ہے اور پھر ان سے روپیہ کما کر ان پر ظلم سے کام

صرف کرتا ہے اور اپنے لئے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرتا ہے بالکل اسی طرح ہمارے کرخندار انسانوں کے گلے کے گلے پال کر ان کو کمائی کا ذریعہ بناتے ہیں اور پھر اس کمائی میں وہ کم سے کم حصہ ان پر صرف کرتے ہیں جو انہیں ان کی خدمات کے لئے زندہ رکھے۔

مارکس نے کتاب سرمایہ میں نظریہ قدر زائد (Surplus value theory) کی روشنی میں سرمایہ داری کے ظلم کی جو حقیقت واضح کی ہے، وہ بجائے خود ایک حقیقت ہی ہے۔ اگرچہ اس کی تعبیر میں مارکس کی نگاہ بھٹک گئی۔ وہ مصنوعات (Comodities) کی ساری قدر (Value) کو محنت (Labour) کا نتیجہ شمار کرتا ہے حالانکہ در اصل سرمایہ و محنت دونوں کے باہمی تعاون سے مصنوعات اور ان کی قدر نمودار ہوتی ہے اور یہ دونوں منافع کے والدین ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک تنہا نہ مصنوعات کو وجود دے سکتا ہے، نہ قدر کو، نہ منافع کو۔ ظلم جو کچھ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سرمایہ اپنے غلبہ کی وجہ سے محنت کا حق مار لے جاتا ہے۔ اور اسے "شریک کار" کی حیثیت دینے پر تیار نہیں ہوتا۔ اس ظلم کو مارکس نے واضح کرنے کے لئے مبالغہ آمیز طریق استدلال استعمال کیا ہے۔

مارکس کے فلسفہ میں زیادتی موجود ہے یا نہیں، نظام سرمایہ داری میں مزدور پر بہر حال زیادتی ہو رہی ہے۔ اور اس زیادتی کے چند نمونے یہ ہیں:

(۱) مزدوروں کے معاوضے بالعموم ان کی ناگزیر ضروریات پورا کرنے سے بھی کم رہتے ہیں۔

(۲) ان کو اپنی طبعی قوت کارکردگی سے زیادہ وقت کام کرنا پڑتا ہے۔

(۳) بعض کام مزدوروں کی صحت کو مستقلاً تباہ کر دیتے ہیں اور کبھی ان کے بعض اعضا ضائع ہو جاتے ہیں۔

(۴) ان کو رہنے کے لئے تنگ اور مضر صحت مکانات فراہم کئے جاتے ہیں۔

(۵) ان کو بیماری میں علاج کی سہولتیں بہم نہیں پہنچتیں۔

(۶) ان کے بچے تعلیم و تربیت سے محروم رہتے ہیں۔

حکومت پر چونکہ سرمایہ داروں کا قبضہ ہوتا ہے، اس لئے قانون اور اجتماعی ماحول دونوں ان حالات کو قائم رکھ کر ان کا پہرہ دیتے رہتے ہیں۔ چنانچہ دنیا کے مزدوروں کو مجبور کر دیا گیا ہے کہ وہ نظم کی قوت سے سرمائے کے خلاف خونی جنگ لڑیں اور اپنے حقوق وصول کریں لیکن اسلامی شریعت میں حکومت چونکہ سرمایہ و محنت

میں تعاون اور توازن پیدا کرنے کی ضامن ہے۔ اور محنت کے حقوق اصولی حیثیت سے مقرر ہیں۔ اس لئے نظام اسلامی طبقاتی تصادم سے پاک رہتا ہے۔

ہمارے پاکستان میں موجود کی آج جو حق ماریاں ہو رہی ہیں، ان کو اسلام جاری رہنے نہیں دے سکتا، کیونکہ یہ مزدور کی حق ماریاں نہیں، خود اسلام کی حق ماریاں ہیں:

مزدوروں کو جو لوگ آج جانوروں کی طرح استعمال کر رہے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ شارع علیہ السلام نے جانوروں کے لئے بھی جو حقوق مقرر کئے ہیں، وہ بھی ان حقوق سے زائد ہیں جنہیں نظام سرمایہ داری نے انسانوں کو عطا کیا ہے۔ جانوروں کی خدمات سے استفادہ کرنے والوں سے نبی صلعم نے یہ چاہا ہے کہ:

(۱) چاہئے کہ جانور سواری کرتے وقت تروتازہ ہوں اور کام لینے کے بعد تروتازہ حالت ہی میں ان کو کھول دیا جائے۔

(۲) ان کے چارے، پانی اور جگہ کا مناسب انتظام کیا جائے۔

(۳) ان کو لعنت نہ کی جائے اور بے جا مارا نہ جائے۔

صرف اول الذکر ہدایت ہی کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو اس میں بہت سی باتیں شامل ہیں جانور تروتازہ جبھی ہو سکتا ہے کہ اس کے بدن کی ضروریات پوری کی گئی ہوں اور اس پر اس کی قوت سے زائد بار نہ ڈالا گیا ہو۔ پھر تروتازہ حالت میں چھوڑ دینے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اعتدال سے خدمت لی جائے۔

پھر نبی صلعم نے ایک عورت کو محض اس بنا پر دوزخ کا مستحق بنایا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ تو رکھا تھا لیکن اسے کھانے پانی سے محروم رکھا۔ سوال یہ ہے کہ وہ لوگ جو انسانوں کی زندگیاں سرمائے کے کھونٹے سے باندھ رکھتے ہیں اور پھر ان کو اور ان کے بچوں کو نیم فاقہ کی حالت میں مبتلا رکھتے ہیں، ان کا ٹھکانا کہاں ہوگا؟ جس خدا کو اپنی پیدا کی ہوئی ایک بلی کا بھوکا رکھنا سخت نامرغوب ہے، اس کے ہاں اپنے پیدا کئے ہوئے انسانوں کی فاقہ کشیوں پر کتنا مواخذہ ہوگا، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جس نبی نے جانوروں پر ان کی قوت سے زیادہ بار ڈالنے کو ممنوع ٹھہرایا ہے اور ان کو تروتازہ رکھنے کا حکم دیا ہے، اس کی شریعت میں انسانوں کی قوت و صحت کا کیا کوئی لحاظ نہ ہوگا؟ ——— یقیناً ہے!

چنانچہ غلاموں اور خادموں کے حقوق کی جو تفصیلات احادیث میں مذکور ہیں، ان سے آج مزدوروں کے حقوق کو متعین کیا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) عن ابی ہریرۃ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للمملوک طعامہ وکسوتہ ولا یکلف من العمل ما لا یطیق

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (فرمایا): غلام خادم کے لئے خوراک اور لباس چاہئے اور اس پر ایسے کام کا بوجھ نہ ڈالا جائے جس کی وہ قوت نہ رکھتا ہو۔

۲- معرور بن سویدؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ سے ان کی ملاقات اس حال میں ہوئی کہ وہ اور ان کا خادم دونوں ایک سی بردیمانی (قیمتی قسم کی چادریں) اوڑھے ہوئے تھے۔ معرور بن سویدؓ نے اس صورت واقعہ کو دیکھ کر حضرت ابوذرؓ سے خادموں کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے جواب میں نبی صلعم کا یہ ارشاد نقل کر دیا کہ:-

"ھم اخوانکم وخولکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم فمن کان اخوہ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل ولیلبسہ مما یلبس ولا تکلفوھم من العمل ما یغلبھم فان کلفتموھم فاعینوھم علیہ (الخمسۃ الا النسائی)

یہ لوگ تمہارے بھائی اور خادم ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے زیر نگین کیا ہے پس جس شخص کے زیر نگین اس کے کسی بھائی کو کیا گیا ہو اسے چاہئے کہ وہ جیسا کچھ خود کھاتا ہے اسے کھلائے جیسا خود پہنتا ہے اسے پہنائے اور ان پر زیادہ محنت کا کام نہ ڈالو، اگر کبھی ڈالو تو پھر ساتھ ہو کر خود ان کی مدد بھی کرو۔

اس میں شک نہیں کہ یہ احکام غلاموں کے بارے میں خصوصیت سے تھے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آج کے مزدور "اخوانکم" کی تعریف میں نہیں آتے؟ کیا "جعلہم اللہ تحت ایدیکم" کی صفت ان میں بھی نہیں ہے؟ کیا ان پر ان کی قوت سے زیادہ بھاری کاموں کا بار ڈالنا چاہئے؟ ...... اگر نہیں تو پھر طعام اور لباس کے بارے میں بھی اصول یہی ہو سکتا ہے کہ ان کو بھی اپنی طرح اوسط درجے کی صالح غذا اور صاف ستھرا لباس فراہم کرنا ضروری ہے اور ان کے معاوضے ایسے ہونے چاہئیں کہ ان کے بل پر بھلی زندگی گذار سکیں۔

۳- بخاری، ابوداؤد اور ترمذی کی روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا۔

اذا اتی احدکم خادمہ بطعامہ	اگر تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کر کے لائے
فان لم یجلسہ معہ فلیناولہ	اور وہ غلام کو اپنے ساتھ کھانے کے لئے نہ بٹھائے تو کم سے
لقمۃ او لقمتین او اکلۃ او	کم ایک دو لقمے تو اسے کھلا دے کیونکہ اس نے
اکلتین فانہ ولی حرہ وعلاجہ	گرمی اور پکانے کی تکلیف گوارا کی ہے۔

یعنی خادم یا ملازم نے جو کھانا آقا کے لئے پکایا ہو اس میں سے اسے بھی حصہ ملنا چاہئے۔ معاشرے کے دوسرے پہلو چاہتے ہیں کہ جو لوگ بالعموم خدام خیالات کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ اس حدیث سے ایک اشارہ یہ بھی ملتا ہے کہ کسی کارندے سے اگر ضروریات زندگی میں سے کسی چیز کی تیاری کا کام لیا جا رہا ہو تو خود اس کارندے کی وہ ضرورت اسی سے پوری ہونی چاہئے بلکہ اپنی محنت سے تیار کردہ مصنوعات میں سے اسے بطور عطیہ و ہدیہ کے کچھ نہ کچھ حصہ ملنا چاہئے۔ یہ حدیث جس اخلاقی رجحان کو ابھارنا چاہتی ہے اس کی بہت سی صورتیں سرمایہ دارانہ نظام میں بھی کچھ نہ کچھ ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔ جیسے تعلیمی اداروں کے بچوں سے تعلیم کی فیس نہیں لی جاتی، ریلوے سے ملازمین کو سفر کی سہولتیں دی جاتی ہیں، اسی طرح بعض صنعتی کارخانوں میں مزدوروں کو وہاں کی مصنوعات ارزاں نرخوں پر دی جاتی ہیں، وغیرہ!

یہ بہرحال ظلم ہے کہ ایک مزدور دنیا جہان کے لوگوں کے لئے کپڑا تیار کرے اور خود اس کا تن ننگا رہے، ایک کارخانے کے مزدور کروڑوں انسانوں کے ذوق کے لئے کریم کی ٹکیاں بناتے ہیں لیکن خود ان کے بچوں کو سیر کرنے کے لئے کوئی نہیں ملے۔ اخلاق چاہتا ہے کہ ہر کارخانے کے مزدوروں کو ان کی مصنوعات میں سے کچھ حصہ بطور ہدیہ ملے یا کم سے کم ارزاں نرخوں پر حاصل ہو۔ یہ ایک احسان اجیر و مستاجر کے درمیان قرب اور محبت کو بڑھانے والا ہے اور یہی وجہ ہے اسلام کی نگاہ میں پسندیدہ ہے۔

۴۔ نبی صلعم نے یہ چاہا ہے کہ غلاموں اور خادموں کو ایک ایک دن میں ان کے بیشتر قصوروں پر معافی دی جائے

(۵) ابو داؤد و نسائی کی روایت ہے کہ:

امر رسول اللہ صلعم یوماً بالصدقۃ	ایک روز نبی صلعم نے صدقے کی نصیحت کی۔
فقال رجل یا رسول اللہ عندی دینار	ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس ایک
قال تصدق بہ علی نفسک قال عندی	دینار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی جان پر صدقہ کر۔ اس

آخر قال تصدق به على ولدك قال عندی آخر قال تصدق به على زوجتك قال يا رسول الله عندی آخر قال تصدق به على خادمك قال عندی آخر قال انت ابصر به۔

نے پھر کہا کہ ایک اور دینار بھی ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے بچے پر صرف کر۔ اس نے کہا ایک اور بھی ہے آپ نے فرمایا اپنی بیوی پر صرف کر۔ اس نے کہا میرے پاس اور دینار بھی ہے آپ نے فرمایا کہ اپنے خادم پر صرف کر۔ اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک اور دینار بھی رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں تو خود ہی فیصلہ کر لے!

اس روایت کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی کو اپنی ذات اور اہل وعیال کے بعد اپنے خادموں ملازموں اور مزدوروں کے حقوق پورے کرنے چاہئیں اور اس کے صدقات کے لئے یہی لوگ سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کارخانہ داروں کے کاروباری اور گھریلو اموال کی زکوٰۃ اور ان کے دوسرے صدقات خود ان کے مزدوروں پر صرف ہونے چاہئیں۔

(۲) حضرت عمرؓ کے اسوہ میں بھی ایک خاص ہدایت مزدوروں کے بارے میں ملتی ہے۔ آپ نے ایک بوڑھے ذمی کو گداگری کرتے دیکھا تو آپ کو رنج ہوا اور آپ نے فرمایا کہ یہ ہمارے لئے صحیح نہیں ہے کہ ایک شخص کی جوانی کے زمانے میں تو ہم (ذمی ٹیکس کی صورت میں) اس سے فائدہ اٹھائیں، لیکن معذوری کی حالت میں اسے ذلت وخواری میں چھوڑ دیں چنانچہ آپ نے بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

یہاں سے یہ اخلاقی اصول ملتا ہے کہ جس شخص کی جوانی اور صحت کی حالت میں کوئی اس سے فائدہ اٹھا رہا ہو، اس پر اگر بڑھاپے یا معذوری یا بیماری کی حالت طاری ہو جائے تو استفادہ کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ اس کی کفالت کرے۔

شارع کی ان ہدایات کو اگر ملحوظ رکھ کر اصول طے کیے جائیں۔ حقوق محنت یہ قرار پاتے ہیں۔

ا۔ ایسا معاوضہ دیا جانا چاہئے جو نہ صرف ان کے جسم وروح کا رشتہ ہی برقرار نہ رکھے، بلکہ ان کی صحت اور تروتازگی کو بھی بحال کرے۔

ب۔ رہن سہن کے ایسے انتظامات مزدوروں کو فراہم کرنے چاہئیں جو ان کے کنبے کی صحت کے لئے تباہ کن

نہ ہوں۔

ج ۔ بیماری میں ان کے معالجہ کا انتظام ہونا چاہئے ۔۔۔۔۔ ورنہ تر و تازگی کیسے رہے گی۔

د ۔ ان سے ایسا اور اتنا کام نہ لینا چاہئے جس سے ان کی صحت گر جائے اور ان کی قوتِ کارکردگی ضائع ہو۔

ہ ۔ ان کی کوتاہیوں پر سختی کرنے کے بجائے نرم برادرانہ سلوک کرنا چاہئے۔

س ۔ جو مصنوعات ان کی سعی سے تیار ہوں ان میں سے کوئی حصہ ان کو ہدیہ کیا جائے یا ارزاں دیا جائے

ص ۔ کارخانہ داروں کے صدقات کا صرف مزدوروں کی تعلیم، ان کے معالجے، ان کی ناگہانی ضروریات، ان کے بچوں کی ترتیب وغیرہ پر صرف ہونا چاہیئے۔ نیز قربانی، صدقۂ فطر اور کفارہ ہائے معصیت کے اولین مستحق بھی یہی لوگ ہیں

ط ۔ بیماری میں مزدوروں کو الاؤنس اور بڑھاپے اور ناکارگی کی حالت میں پنشنیں ملنی چاہئیں۔

ان اصولوں کی روشنی میں آج اسلامی حکومت کو اہل سرمایہ اور اہل محنت کو یکجا بٹھا کر منصفانہ طریق سے حقوق محنت کو طے کرنا ہوگا اور ان کے تحفظ کے لئے ایک ضابطہ مرتب کرنا ہوگا تاکہ اگر کسی کی حق مارنی کی جائے تو وہ اپنا حق حکومت کی رو سے بھی وصول کر سکے۔

بڑے کارخانوں میں جہاں (مثلاً) ۲۰۰ سے زیادہ کارکن کام کرتے ہوں، حکومت یہ لازم ٹھہرا سکتی ہے کہ وہاں سرکاری نقشے کے مطابق مکانات بنا کر مزدوروں کی بستی بسائی جائے، وہاں سرکاری اسکیم اور معیار کے مطابق ایک مدرسہ اور ایک ہسپتال قائم کیا جائے۔ اور ان کا انتظام اگرچہ حکومت کے ہاتھوں میں ہو لیکن ان کے سالانہ مصارف کارخانہ دار سے وصول کئے جائیں۔ چھوٹے کارخانوں اور عام ملازموں اور خانگی خادموں کے کنبوں کے معالجے اور تعلیم کے مصارف کا بل ان سے کام لینے والوں کے ذمے ڈالا جائے ۔۔۔۔۔ الا یہ کہ وہ استطاعت نہ رکھتے ہوں اور حکومت ان کی جگہ بیت المال سے روپیہ صرف کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر مزدوروں کی سوسائٹی اسلامی عبادات و اخلاق کے ذریعے منظم کی جائے اور اجیروں اور مستاجروں میں اگر اسلامی اخوت کے روابط استوار کئے جائیں تو موجودہ ناہمواریوں کا اور طبقاتی تصادم کا نام و نشان مٹ جائے۔

ایسے کارخانہ دار جو حکومت کی رہنمائی کے مطابق اسلامی اصولوں پر ادائے حقوق کرنے میں مزدوروں سے مسلسل خیانت کریں، ان کے کارخانوں کو ایک مقررہ مدت کے لئے حکومت کی تحویل میں رکھنے کا ضابطہ موجود

ہونا چاہیئے جس کے تحت ان کو اسلامی اخلاق اور احترام حقوق اور ذمہ دارانہ پن کی تربیت دی جاسکے۔

مزدوروں کے لیئے بیت المال کی پشت پناہی اسلامی حکومت کے تحت مزدوروں کو اپنی محنت ارزاں نرخوں اور گھٹیا شرائط پر بیچنے سے بچنے کا بہترین ذریعہ بیت المال کی پشت پناہی ہے۔ بیت المال زکوٰۃ اور صدقات اور فئے اور غنیمت کی بے حساب رقوم لئے جب اہلِ محنت کی مدد کو موجود ہو کہ اگر وہ بے روزگار یا معذور ہوں گے تو ان کی اپنی حکومت ہمہ تن ان کی کفالت کے لیئے موجود ہے تو محنت کا نرخ بہر حال بڑھ جائیگا اور ان کو جانوروں کی سطح پر گر کر سرمایہ داروں سے معاملہ کرنے کی مجبوری سے نجات مل جائے گی۔ اس صورت میں وہ ہڑتالوں اور احتجاج کے مظاہرات کو زیادہ طویل اور دیرپا بنا سکیں گے اور سرمائے کی قوت کا زیادہ مضبوطی کے ساتھ مقابلہ کر سکیں گے ——— اگرچہ اس کی ضرورت ایک تربیت یافتہ سوسائٹی میں پیش نہیں آسکتی۔

حکومت ایسے انتظامات بھی کر سکتی ہے کہ وہ ہر کارخانے کے کارکنوں کے مشاورتی بورڈ مرتب کرا دے اور پھر ان بورڈوں کا ایک مرکزی ادارہ موجود ہو جس میں ہر صنعت کے مخصوص مسائل اور اس کے مزدوروں کی ضروریات کے بارے میں اصلاح و ترقی کی مختلف اسکیمیں مرتب ہوں اور سرمایہ و محنت کے تعاون کو نشوونما دینے کے لئے پروگرام بنیں اور وہ اسلامی نظام حکومت کی مجلس شوریٰ کے سامنے سفارشات کی صورت میں پیش ہوں۔ اس طرح محنت کی حق ماریوں کا بآسانی خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔

ان ساری تدابیر میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ اہل سرمایہ اور اہل محنت کے درمیان کسی طرح کی طبقاتی تقسیم کا وجود نہ تو تسلیم کیا جائے اور نہ اسے فروغ پانے میں مدد بہم پہنچ سکے۔ امت کی وحدت کو اصولاً ایک حقیقت قرار دے کر اسی کو فروغ دینا پیش نظر ہو۔ ورنہ اصلاح کے بجائے اُلٹا بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے۔ (باقی آئندہ)